جسے مٹانے کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہ مزاحمت خود زندگی کے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ماضی سے متشکّل ہوتی ہے۔ زندگی کا ایک وصف یہ ہے کہ جب وہ ترقّی کر کے ایک حالت کو پا لیتی ہے تو اس حالت کا ایک پہلو جہاں اگلی حالت کے نمودار کرنے کے لیے ممدّ و معاون ہوتا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو اس کے نمودار ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی یا زندگی کا خاصّہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف نت نئی ترقیاں حاصل کرنا چاہتی ہے بلکہ اس غرض کے لیے ان ترقیوں کو محفوظ بھی کرنا چاہتی ہے جنہیں وہ ایک دفعہ حاصل کر لیتی ہے۔ اگر وہ ماضی کی ترقیوں کو محفوظ نہ کرے تو مستقبل کی ترقیوں کو حاصل نہیں کر سکتی، کیونکہ زندگی کا مستقبل اس کے ماضی کی بنیادوں پر تعمیر پاتا ہے۔ زندگی اپنی تخلیقی قوّت کے عمل سے نئی نئی خاصیتیں اور کیفیتیں نمودار کرتی ہے۔ لیکن جونہی کہ زندگی ایک کامیابی حاصل کر لیتی ہے وہ کامیابی مستقل اور خود کار اور غیر مبدّل ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے زندگی اس کی طرف سے بے پرواہ ہو کر اگلی کامیابیوں کی طرف توجہ کرتی ہے۔ لیکن جب وہ ایسا کرنے لگتی ہے تو جو کامیابیاں وہ حاصل کر چکی ہوتی ہے وہی زندگی کی پست تر سطح سے متعلق ہونے کے باعث اس کی اگلی منزل کے راستہ کی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

حیوانی مرحلۂ ارتقاء میں خودی کی مزاحمت

مثلاً مادّی مرحلۂ ارتقاء میں زندگی کی کامیابیاں مادّی قوانین کی صورت میں نمودار ہوتی تھیں۔ یہ قوانین مستقل اور خود کار اور غیر مبدّل ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی تھے بلکہ اس لیے کہ اب ان کو بدلنے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ ماضی میں عرصہ دراز تک بدل بدل کر اغراض ارتقاء کے لیے بہتر اور بلند تر ہوتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے ایک ایسی شکل اختیار کر لی جو حیوانی زندگی کے نمودار ہونے کے لیے موزوں تھی تو وہ مستقل اور غیر مبدّل بن گئے اور تغیّر ان سے اوپر کی سطح زندگی پر نمودار ہو گیا۔ حیوانی مرحلۂ ارتقاء میں زندگی کو ان ہی مادّی قوانین کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جو اس نے خود ایک مقصد کے ماتحت ظہور پذیر کیے تھے۔ حیوانات مجبور تھے کہ ان قوانین کے خلاف جدّوجہد کر کے اپنے آپ کو ان کے مخالفانہ عمل کی زد سے محفوظ کریں اور ان کی مزاحمت کے باوجود اپنے لیے خوراک مہیّا کریں تاکہ اس طرح سے اپنی اور اپنی نسل کی زندگی کو برقرار رکھ سکیں۔ ان کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیوانات کی جبلّتیں

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

مختلف سمتوں میں جو زندگی کی فطرت یا نصب العین کے مطابق یا دوسرے لفظوں میں قولِ کن کی ممکنات کے مطابق تھیں ارتقا کرتی رہیں اور اس عمل کے دوران میں بے شمار انواعِ حیوانات وجود میں آئیں مادّی قوانین کی مزاحمت پر فتح پانے کے لیے زندگی نے جو جدّوجہد کی اس نے ممکن بنایا کہ زندگی جبلّتوں کی صورت میں نئی کامیابیاں حاصل کر سکے۔ یہ جبلّتیں مادّی قوانین ہی کی طرح ساتھ ساتھ مستقل اور غیر مبدل اور خودکار ہوتی گئیں۔ اس طرح سے حیاتیاتی مرحلۂ ارتقاء کے ہر قدم پر زندگی کا ماضی جو اس کی مزاحمت کا موجب بنا مادّی قوانین کے علاوہ ان جبلّتوں پر بھی مشتمل تھا جو مختلف انواعِ حیوانات کے اندر وجود میں آ کر مستقل اور غیر مبدل اور خودکار ہو گئی تھیں۔ گویا ہر حیوان اپنی جدوجہد میں نہ صرف مادی قوانین کی مزاحمت کا بلکہ اپنے اور دوسرے انواعِ حیوانات کے غیر مبدل جبلّتی مقاصد کی مزاحمت کا بھی سامنا کرنے پر مجبور تھا۔ اس طرح سے وہ انواعِ حیوانات کی ایک باہمی عالمگیر اور مسلسل جنگ میں شریک تھا۔ ہر نوعِ حیوانات کی جدّوجہد ایک ایسے کردار کے مطابق سرزد ہوتی تھی جو اس کی جبلّتوں کے مقاصد سے معیّن ہوتا تھا۔

© rasailojaraid.c

نظریاتی مرحلۂ ارتقاء میں خودی کی مزاحمت

نظریاتی یا نفسیاتی مرحلۂ ارتقاء میں جو اب جاری ہے زندگی نہ صرف مادی قوانین کی مزاحمت کا بلکہ جبلّتوں کی مزاحمت کا بھی سامنا کر رہی ہے۔ حالانکہ جبلّتیں مادّی قوانین کی طرح زندگی نے اپنی حفاظت، بقا اور ترقی کے لیے پیدا کی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی افراد نہ تو مادّی قوانین مثلاً موسمی حالات اور کشش ثقل وغیرہ کی مزاحمت کا مقابلہ کرنے کے بغیر اپنی جبلّتی اور حیاتیاتی ضروریات کی تکمیل کر سکتے ہیں، اور نہ ہی جبلّتی لذتوں کے حد سے بڑھے ہوئے مطالبات کا مقابلہ کرنے کے بغیر اپنی آرزوئے حسن کی (جو ان کی تمام فطری خواہشات میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے) تشفّی کر سکتے ہیں۔ ان کی اس جدّوجہد کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کے نظریات جس حد تک کہ وہ قولِ کن کی ممکنات اور زندگی کی مخفی تمناؤں کے مطابق ہیں، مختلف سمتوں میں ارتقا کر رہے ہیں اور اس عمل کے دوران میں بے شمار نظریاتی جماعتیں وجود میں آ رہی ہیں۔ نظریاتی ارتقاء کے ہر بیّن مرحلہ پر زندگی کے ماضی میں نہ صرف مادی قوانین اور حیوانی جبلّتیں شامل ہیں، بلکہ نظریاتی جماعتوں کے وہ نظریات بھی شامل ہیں جو اس

© rasailojaraid.c

مرحلہ سے پہلے وجود میں آچکے تھے۔ لہٰذا اس مرحلۂ ارتقا۔ پر ہر نظریاتی جماعت، نہ صرف مادی قوانین اور جبلتوں کی مزاحمت کا سامنا کرتی ہے بلکہ اپنی تمام ہم عصر نظریاتی جماعتوں کے گوناں گوں مقاصد کی مزاحمت کا بھی سامنا کرتی ہے۔ ہر نظریاتی جماعت کی جدّوجہد ایک ایسے کردار کے مطابق سرزد ہوتی ہے جو اس کے نظریہ کے مقاصد سے متعیّن ہوتا ہے۔ یہ مقاصد ہر نظریاتی جماعت کے نصب العین حیات میں بالقوّہ موجود ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کی زندگی میں آشکار ہوتے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ کردار مستقل اور غیر مبدّل اور خودکار بن جاتا ہے اور اسی کو ہم نظریاتی جماعت کے قانون یا رسم و رواج کا نام دیتے ہیں۔ اس موقع پر اگر نظریاتی جماعت کے بعض افراد کسی اور نظریۂ حیات کی محبت میں گرفتار ہو جائیں تو ان کو اس قانون یا رسم و رواج کی قوّت کے خلاف جدّوجہد کرنا پڑتی ہے تاکہ اس کی مزاحمت کا خاتمہ کر دیں۔ اگر وہ اس جدّوجہد میں کامیاب ہو جائیں تو اس واقعہ کو ایک بابرکت انقلاب کا نام دیا جاتا ہے اور اگر کامیاب نہ ہوں تو اسے ایک خطرناک بغاوت کہا جاتا ہے جسے بروقت دبا دیا گیا ہو۔

© rasailojaraid.c

رکاوٹ خودی کی کوشش کو زوردار بناتی ہے

زندگی اپنے ماضی کی طرف سے جس مزاحمت کا سامنا کرتی ہے وہ اس کی ترقی یا منزلِ مقصود کی طرف اس کی رفتار کو کم نہیں کرتی۔ اس کے برعکس چونکہ یہ مزاحمت اس کی کوششوں کو تیز تر کر دیتی ہے وہ اس کی ترقی کی رفتار میں اضافہ کرتی ہے۔ جس طرح سے ایک ہوئے کہسان کو جب پہاڑوں کے ایک تنگ درّہ میں سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ بڑے زور سے بہنے لگتی ہے یہاں تک کہ ان چٹانوں کو جو اس کے راستہ کو دشوار بنا رہی ہوتی ہیں کاٹ کر بہا دیتی ہے۔ اس طرح سے جب زندگی کی رو کسی مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد اسے فنا کرنے کے لیے جدّوجہد کر رہی ہو تو اس کی قوّت اپنی انتہا پر ہوتی ہے۔ زندگی کسی تھوڑی سی مزاحمت کو بھی خواہ وہ کسی شکل و صورت میں ہو برداشت نہیں کرتی اور اس سے کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی۔ اس کے برعکس جب بھی اسے کوئی مزاحمت درپیش آتی ہے خواہ وہ ایک پہاڑ کے برابر ہو تو وہ اپنی ساری قوّت کو جمع کر کے اسے نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کوشش میں کبھی ناکام نہیں ہوتی۔ خواہ مزاحمت کیسی ہی شدید کیوں نہ ہو، زندگی

© rasailojaraid.c

اسے فنا کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

رُکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دِل چیر دیتی ہے یہ

قرآن حکیم نے اس حقیقت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف: ۲۱)

اور خدا اپنے مقصد پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ اس بات سے بے خبر ہیں۔

اگر زندگی کو ایک راہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے اور اپنی منزل کی طرف بڑھنے کا موقع نہ ملے تو یہ کسی رکاوٹ کا سامنا کرنے والی ندی ہی کی طرح اپنی منزل کی طرف ایک اور کامیاب راستہ نکال لیتی ہے۔ اس کی جدّ وجہد کا نتیجہ آخر کار یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف مزاحمت ختم ہو جاتی ہے بلکہ اپنی آئندہ جدّ وجہد کو جاری رکھنے کے لیے وہ خود بھی نئی صلاحیتوں اور قوتوں سے آراستہ ہو جاتی ہے جن کی وجہ سے وہ ارتقا کی بلند تر سطحوں پر قدم رکھتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اپنی ہی پیدا کی ہوئی مزاحمت کے خلاف جد وجہد کر کے اس پر غالب آنا زندگی کی فطرت کا ایک تقاضا ہے جسے زندگی مطمئن کرنا چاہتی ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ اپنے اندر سے خود اپنی مزاحمت پیدا کرتی ہے۔ اقبال بڑی وضاحت کے ساتھ خودی کی اس خصوصیّت کا ذکر کرتا ہے۔

در جہاں تخمِ خصومت کاشت است
خویشتن را غیرِ خود پنداشت است
سازد از خود پیکرِ اغیار را
تا فزاید لذّتِ پیکار را

اُوپر کے حقائق کی روشنی میں یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کیوں اقبال اپنی نظم میں جس کا عنوان "ارتقا" ہے ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح سے مشکل پسندی، مشکل کشی اور جفا طلبی زندگی کی خصوصیات ہیں۔ کس طرح سے زندگی اپنے راستہ کی رکاوٹوں کو للکارتی ہے اور پھر نہایت دلیری کے ساتھ ان کا مقابلہ کر کے ان کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ کس طرح سے جد وجہد ہی وہ عمل ہے جس کی مدد سے زندگی ارتقا کے مادّی، حیاتیاتی اور نظریاتی مرحلوں میں آگے بڑھتی ہے۔ کس طرح سے

© rasailojaraid
© rasailojaraid

قوموں کی زندگی اور ترقی کا راز ان کی جدوجہد میں مضمر ہے۔ اور کس طرح بے چینی اور اضطراب کے اس عالم میں مسلمان قوم کی موجودہ جدوجہد کا راز بھی یہی ہے کہ وہ زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتی ہے۔

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز
سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی
سکوتِ شام سے تا نغمۂ سحر گاہی
ہزار مرحلہ ہائے فغانِ نیم شبی!
کشاکشِ زم و گرما، تپ و تراش و خراش
زخاکِ تیرہ دروں تا بہ شیشۂ حلبی!
مقام بست و شکست و فشار و سوز و کشید
میانِ قطرۂ نیسان و آتشِ عنبی!
اسی کشاکشِ پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے رازِ تب و تابِ ملتِ عربی

خودی کی تکمیل کے مرحلے

چونکہ ارتقا کا مقصد فقط انسان کی تکمیل ہے اور انسان کی اصل ایک خودی ہے جو ایک مکمل جسم حیوانی میں مقیم ہوئی ہے اور یہ مکمل جسم حیوانی ایک مکمل مادہ سے بنا ہے، ضروری تھا کہ کائناتی خودی کی تخلیقی فعلیت کی تین منزلیں قرار پاتیں۔ جن میں سے پہلی منزل تکمیل مادہ، دوسری منزل تکمیلِ جسمِ حیوانی اور تیسری منزل تکمیلِ خودی ہوتی۔ ضروری تھا کہ پہلے اس کیچڑ یا مٹی کی تکمیل کی جاتی جس سے انسان کا جسم بنا ہے۔ مادی ارتقا کے کروڑوں برس اس مٹی کی تکمیل میں صرف ہوئے۔ اس مرحلۂ ارتقا میں جوئے حیات کی تیز رواں دریا اور کارآمد مادی ذرات یا جواہر کی تعمیر کی سمت میں بہتی رہی جو انسانی جسم کی ساخت اور نشوونما اور اس کے قیام اور ارتقا کے ساز و سامان کی تیاری کے لیے ضروری تھے۔ ان جواہر کی تعمیر کے دوران میں اور قسم کے بھاری اور پیچیدہ جواہر بھی وجود میں آتے رہے لیکن چونکہ وہ ارتقا کے مقاصد سے مناسبت نہیں رکھتے تھے، لہٰذا وہ دیرپا نہ تھے اور راضی

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

میں ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہوتے رہے اور آج تک فنا ہو رہے ہیں۔ کیچڑ یا مٹی کے مکمّل ہونے کے بعد جب اس سے جسمِ انسانی کی ابتدائی حالت وجود میں لائی گئی تو ضروری تھا کہ اس کی اور تکمیل کی جاتی یہاں تک کہ وہ اس قابل ہو جاتا کہ اس کے اندر انسان کا جوہر جسے آزاد اور خود مختار خودی کہا جاتا ہے نمودار ہو جاتا۔ لہٰذا حیاتیاتی ارتقا کے کروڑوں سال انسان کے جسم کی تکمیل میں صرف ہوئے۔ اس مرحلۂ ارتقا میں جوئے حیات کی تیز رو انسان کے جسم کی ان ترقی پذیر شکلوں کی تعمیر کی سمت بہتی رہی جو متواتر کامل سے کامل تر بنتی رہیں۔ یہاں تک کہ بالآخر انسان کے مکمّل جسم پر ختم ہوئیں۔ اس مرحلہ میں اور قسم کی حیوانی شکلیں بھی انواعِ حیوانات کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی رہیں، لیکن چونکہ وہ ارتقا کے مقاصد کے ساتھ مطابقت نہ رکھتی تھیں لہٰذا وہ اس قابل نہ تھیں کہ زندہ رہ سکتیں۔ وہ ماضی میں فنا ہوتی رہیں اور ان کے فنا ہونے کا عمل اب تک جاری ہے۔ جسمِ انسانی کی تکمیل کے بعد جب اس میں خودی کا جوہر نمودار ہوا تو ضروری تھا کہ اس جوہر کی تکمیل کر کے اسے مکمل کر دیا جاتا تاکہ تخلیق اور ارتقا کا مقصد پورا ہو۔ لہٰذا نظریاتی ارتقا کے لاکھوں برس آج تک تکمیلِ خودی پر صرف ہو چکے ہیں اور معلوم نہیں کہ اور کتنی مدّت اس پر صرف ہو گی۔ اس نظریاتی ارتقا کے دَوران میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ مختلف قسم کی نظریاتی اشکال نظریاتی جماعتوں کی صورت میں پیدا ہو رہی ہیں جن میں سے اکثر ساتھ ساتھ مٹتی جا رہی ہیں، جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ارتقا کے آخری مقصد یعنی تکمیلِ انسان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتیں اس طرح سے اگرچہ ارتقا کے ان تینوں مرحلوں میں شاخِ زندگی سے ہر آن پھول جھڑتے رہے ہیں، لیکن نئے پھول نکلتے بھی رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ شاخ متواتر اپنے کمال کی طرف نشوونما پاتی رہی ہے۔ مجموعی طور پر زندگی کے حاصلات نہ کبھی بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں اور نہ بے ثبات۔ اگر نقشِ حیات ایک طرف سے مٹتا ہے تو دوسری طرف سے اور بھی زیادہ نمایاں ہو کر اُبھر آتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ متواتر اپنے کمال کی طرف ارتقا کرتا رہتا ہے۔ علامّہ اقبال زندگی کی ان خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے!
اِسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے!
سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
اُبھرتا ہے مِٹ مِٹ کے نقشِ حیات

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ایک پہاڑی ندی سے خودی کی مماثلت

ارتقاء کے مختلف مراحل میں سے زندگی (یعنی قولِ کُن کی قوّت) کی نہ رُکنے والی مسلسل پیش قدمی کو اقبالؔ ایک ایسی تیز رَو ندی سے تشبیہہ دیتا ہے جسے پہاڑوں کے درمیان بہتے ہوئے چٹانوں کی رُکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ اور وہ دائیں یا بائیں مڑ کر ان سے بچتی ہوئی اور یا پھر انہیں اپنے تیز اور تند بہاؤ کے بھاوڑے سے کاٹتی ہوئی آگے نکل جاتی ہے۔

وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اُچھلتی، پھسلتی، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رُکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ!
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ!
ذرا دیکھ اے ساقیٔ لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام!

دما دم رواں ہے یم زندگی
ہر اک شَے سے پیدا رم زندگی
اسی سے ہوتی ہے بدن کی نمود
کہ شعلہ میں پوشیدہ ہے موجِ دُود!
گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گل
خوش آئی اسے محنتِ آب و گِل
اسی کے بیاباں، اسی کے ببول
اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کہسار چُور
کہیں اس کے پھندے میں جبریلؑ و حُور!
کہیں جُرّہ شاہینِ سیماب رنگ
لہُو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
اُلجھ کر سلجھنے میں لذت اسے!
تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے!
ہوا جب اسے سامنا موت کا
کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا

© rasailojaraid.c

اتر کر جہانِ مکافات میں — رہی زندگی موت کی گھات میں
مذاقِ دوئی سے بنی زوج زوج — اٹھی دشت و کہسار سے فوج فوج

زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی — ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
تجسّس کی راہیں بدلتی ہوئی — دمادم نگاہیں بدلتی ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں! — پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں!
سفر اس کا انجام و آغاز ہے — یہی اس کی تقویم کا راز ہے!

خودی جو روزِ ازل سے اس طرح اپنی پیدا کی ہوئی رکاوٹوں کے ساتھ کشمکش میں مصروف تھی اور مادی اور حیاتیاتی ارتقاء کے طویل اور دشوار گزار راستہ پر آہستہ آہستہ مگر پورے استقلال کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی، آخر کار جسمِ انسانی میں نمودار ہوئی اور اب اس کے ذریعہ سے اپنی ترقی کی آئندہ منزلوں کو طے کر رہی ہے

ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر

انسانی خودی کا یعنی خدا کی محبّت کے جذبہ کا ظہور

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان پہلا اور آخری حیوان ہے جو خود شعور ہے، یعنی جس کا شعور اپنے آپ سے آگاہ ہے۔ انسان اپنی خود شعوری کی وجہ سے یہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی محبوب ہے جو اس سے بچھڑا ہوا ہے اور جس کے بغیر اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا ہے۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لیے وہ تصوراتِ حسن قائم کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے اور اپنی عملی زندگی کو ان کی پیروی کے لیے وقف کرتا ہے لیکن صرف ایک ہی تصوّرِ حسن ایسا ہے جو اپنی صفات اور خصوصیات کی وجہ سے اس کی خودی کے تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے اور انہیں پوری طرح سے مطمئن کرسکتا ہے اور وہ خدا کا تصوّر ہے۔

انسان میں خودی کا اور اس کے ساتھ خدا کی محبّت کے جذبہ کا ظہور نوعِ انسانی کی تکمیل کے

© rasailojaraid

اصلی عمل کا نقطۂ آغاز ہے۔ اس سے پہلے مادّہ کی تکمیل اور اس کے بعد جسمِ حیوانی کی تکمیل اس عمل کی تیاری کے مرحلے تھے۔ اب خدا کی محبّت کا عملی اظہار کرنے سے نوعِ انسانی اپنے اُس حُسن یا کمال کو پہنچے گی جو خدا کے قولِ کُن کا مقصود ہے۔ خدا نے جس کے حسن و کمال کی کوئی حد نہیں، انسان کو اپنے حُسن اور کمال کی آرزو کے ساتھ اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ انسان اس آرزو کی تشفی کر کے خدا کے رنگ میں رنگا جائے اور اس طرح سے اپنے حسن و کمال کی انتہا کو پہنچے۔ ارتقائے کائنات کے جس نقطہ پر انسان میں خودی کا ظہور ہوا وہاں کائناتی خودی نے گویا اپنا راز جو آفرینشِ کائنات میں مضمر تھا، آشکار کر دیا۔ انسان کے اندر جوہرِ خودی کے نمودار ہونے کے عظیم الشان واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال لکھتے ہیں:

"یہ گویا کائنات کا اپنے ارتقار کے ایسے نقطہ پر پہنچ جانا ہے جہاں وہ اپنی راہ نمائی خود کر سکتی ہے اور جہاں حقیقتِ مطلقہ گویا اپنے راز کو آشکار کر دیتی ہے اور اپنی اصل حقیقت کا سراغ بہم پہنچاتی ہے۔"

انسان میں خودی کے ظہور کا مطلب یہ تھا کہ ایک مُشتِ خاک میں خدا کی محبّت زندہ ہو گئی ہے اور دنیا میں پہلی دفعہ حُسن کا قدردان اور چاہنے والا پیدا ہوا ہے جو اپنی محبّت کی وجہ سے خدا کا راز دار بن سکتا ہے اور کائنات کے رازہائے سربستہ کی پردہ دری کر سکتا ہے۔ سنگ و خشت کی دنیا تو بے اختیار اور مجبور تھی، لیکن اب ایک ایسا وجود ظہور پذیر ہو گیا ہے جو آزاد ہے اور آزادئ عمل سے اپنی اصلاح کر کے اپنی شخصیت کی نئی تعمیر کر سکتا ہے۔ خدا کی آرزو یا محبّت اپنی حیرت انگیز قوتوں سے بے خبر زندگی کی آغوش میں سوئی پڑی تھی لیکن اب اس نے اپنی آنکھیں کھول لی ہیں اور اب گویا اس کے لیے ایک ایسا دروازہ کھل گیا ہے جہاں سے وہ خدا کے حسن کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔ خدا کی آرزو کی اس بیداری سے جہاں دگرگوں ہو گیا ہے اور پوری دنیا ہی بدل گئی ہے۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
خودگرے، خودشکنے، خودنگرے پیدا شد

خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل
حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

آرزو بے خبر از خویش بآغوشِ حیات
چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد

© rasailojaraid

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر   تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

کہاں انسان خاک کا پتلا اور کہاں خالقِ کائنات خدا جو منتہائے حسن و کمال ہے۔ انسان میں خودی اور خودی کے ساتھ خدا کی محبت کے ظہور کا مدعا کیا ہے عقل اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے

غبارِ راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال   خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے؟

ربوبیت

قرآن حکیم کی رُو سے کائنات کے اندر تدریجی تخلیق کے عمل کا وجود ایک حقیقت ہے اور اس کا باعث خدا کی ربوبیت ہے۔ قرآن کی سب سے پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے۔ امام راغب نے اپنی کتاب "المفردات" میں ربوبیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ ھُوَ اِنْشَاءُ الشَّیْءِ حَالاً فَحَالاً اِلٰی حَدِّ التَّمَامِ۔ (وہ کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت تک نشو و نما دینا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی حالت کمال کو پہنچ جائے۔) قرآن کی رُو سے خدا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آسمانوں اور زمین کا رب) ہے اس لیے کہ وہ کائنات کو ایک کل کی حیثیت سے تدریجی ترقی دے رہا ہے اور پھر حدیث کے الفاظ میں خدا رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ (ہر چیز کا رب) ہے، کیونکہ وہ کائنات کی عمومی تربیت اور تکمیل کے سلسلہ میں کائنات کی ہر چیز کی تربیت اور تکمیل کرتا ہے۔ مغرب کے حکماء بھی اپنے مشاہدات کی بنا پر اس حقیقت تک پہنچے ہیں کہ کائنات میں تدریجی تکمیل کا عمل ہو رہا ہے اور وہ اس عمل کو ارتقاء یا ایوولیوشن کا نام دیتے ہیں۔ تاہم انہوں نے اس بات کو آج تک نہیں سمجھا کہ اس کا بنیادی سبب ایک قادرِ مطلق خدا کی تخلیقی فعلیت یا ربوبیت ہے اور اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ نوعِ انسانی اپنے حسن و کمال کی اس انتہا تک پہنچے جو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اکبر الہ آبادی نے ایوولیوشن کی حقیقت اور اس کو سمجھنے کی اہمیت کو ایک شعر میں بیان کیا ہے۔

ہے ایوولیوشن بس اک تفسیرِ ربّ العٰلمیں!
کاش اس نکتے سے واقف ہوں مسلماں اِن دنوں

© rasailojaraid
© rasailojaraid

ارتقاء

اقبال نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن حکیم اس نظریہ کی تائید کرتا ہے کہ ارتقاء ایک حقیقت ہے۔ اقبال لکھتا ہے:

"قرآن کی تعلیم اس بات کی مؤید ہے کہ کائنات ارتقا کر رہی ہے اور بدی پر انسان کی آخری فتح کی امید سے پُر ہے۔"

"قرآن کی رُو سے انسان کو اختیار ہے کہ چاہے تو کائنات کے مقصد کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر حیاتِ جاوداں سے بہرہ ور ہو جائے:

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ○ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ○ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ○ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰى ○ (القیامۃ: ٣٦-٤٠)

(کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بے کار سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ پیٹ میں پڑے ہوئے منی کے ایک قطرہ سے بنا ہوا نطفہ نہیں تھا؟ پھر وہ جما ہوا خون بن گیا، پھر خدا نے اسے بنایا اور درست کیا اور اس سے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔ کیا یہ خدا مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟)

یہ نہایت ہی غیر اغلب ہے کہ ایک وجود جس کے ارتقا پر لاکھوں برس صرف آئے ہوں بے کار سمجھ کر پھینک دیا جائے لیکن انسان فقط ایک ارتقا کرتی ہوئی شخصیت کی حیثیت سے ہی کائنات کے مقصد کے ساتھ مطابقت پیدا کرتا ہے۔"

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojarai

تعارف کتب

نام: اسلام میں دولتِ فاضلہ کا مقام

تحریر: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

شائع کردہ: مکتبہ السلفیہ سٹریٹ نمبر ۲ وسن پورہ لاہور

قیمت: ۸/۰۰ روپے صفحات: $\frac{۱۸ \times ۲۳}{۸}$ کے ۷۲ صفحات

ہر دور کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جو عمرانی اور تجرباتی علوم کے زیر اثر فکرِ انسانی پر چھا جایا کرتی ہیں یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانی میں انبیائے کرام کو جو معجزات عطا فرمائے گئے وہ بھی ہر دور کے اعتبار سے مختلف تھے۔ ہمارے دور کی خصوصیت معاشی مسئلہ کی گھمبیرتا اور اس کا احساس ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو دیگر تمام مسائل پر حاوی ہے۔

الحمدللہ کہ ہمارے دینی طبقات جو عام طور پر حالات حاضرہ کے مسائل پر دنیا سے دو ہاتھ پیچھے ہی ہوتے ہیں، اب دینی اعتبار سے اپنی ذمہ داری کا احساس کرنے لگے ہیں، اور دین کے مجموعی نظام میں معاشی پہلو کو اجاگر کرنے کی سعی فرما رہے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیلانی نے بھی اس کتابچہ میں اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کی دو انتہاؤں کے مابین اسلام کے عدل و اعتدال کے مسلک کو واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اسلام کے خیر القرون میں ہی جو انتہائی نقطہ ہائے نظر حالات کے دباؤ کے تحت پیدا ہو گئے تھے اُن کی تطبیق فرمائی ہے مصنف کے الفاظ شائد بظاہر سخت اور قابل گرفت محسوس ہوں مگر ایک پیراگراف نقل کئے بغیر گزر جانا کتابچہ کے تعارف سے ناانصافی ہو گی۔ فرماتے ہیں:-

مسلمانوں میں افراطِ زر کا مسئلہ دورِ عثمانی میں پیدا ہوا اس افراط کی وجوہ کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اس دور میں جب مسلمانوں کے پاس وافر دولت آگئی تو فاضلہ دولت سے مسلمانوں نے دھڑا دھڑ زمینیں خریدنا شروع کر دیں۔ اس طرح جہاں ایک طرف جاگیرداری میں اضافہ ہوا وہاں دوسری طرف مسلمانوں نے جواز کا سہارا لے کر محتاج و مفلس کاشتکاروں کو بھی اپنی زمین مفت دینا یکسر بند کر دیا اس دوہرے عمل نے جب طبقاتی تقسیم کو اور بھی جلابخشی اور زمین کی

© rasailojaraid.